نظرات

آہ جمیل مہدی

از محمد اظہر صدیقی

واحسرتا! کہ دل ہے بہت بے قرار آج
سینے میں چبھ گئی ہے کوئی نوکِ خار آج

دل میں درد ہے، روح مضطرب اور بے چین ہے، قلم پر لرزہ طاری ہے، زبان وبیان کی قوت دم بخود اور مردہ ہے، نبض حیات ڈوبتی ہوئی معلوم ہو رہی ہے کہ میرے گذشتہ تیس سال کے قابل احترام بزرگ مگر بے تکلف رفیق اور ہمدم و دمساز ــ بھائی جمیل مہدی (مدیر روزنامہ عزائم لکھنؤ و ماہنامہ برہان دہلی) ۱۳؍ فروری ۱۹۸۸ء کی صبح کو ساڑھے سات بجے اس دار فانی سے دار البقا کی طرف کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وہ بہادر، بے خوف، جیالا بے باک و بے لوث انسان، وہ صاحب طرز ادیب، وہ سراپا اخلاص و ایثار صحافی، وہ دوستوں کا دوست، اپنوں کا غمخوار، چھوٹوں کا مشفق و مربی، بزرگوں کی محفلوں میں باادب مگر بے لاگ انسان ہمیں چھوڑ گیا۔

جس کے دم سے قلم کی آبرو سلامت تھی، اردو صحافت کی عظمت قائم تھی، مولانا ظفر علی خاں، مولانا ابوالکلام آزاد، غلام رسول مہر، مولانا محمد علی جوہر، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا محمد عثمان فارقلیط کی پاکیزہ روایات کی پاسداری تھی، اردو میں دیانت دارانہ صحافت کا بھرم قائم تھا، آج کے خود غرضانہ ماحول، مفاد پرستیوں، ضمیر فروشیوں اور مصلحت اندیشیوں کے پُرہول سناٹے میں بھی جس کی ولولہ انگیز اور چونکا دینے والی تحریروں سے حق وصداقت کی بلند آواز گونج اٹھتی تھی، افسوس وہ آخری کڑی بھی ٹوٹ گئی جس کی بدولت ملت کے زریں عہد اور شاندار

ماضی سے اس حد ماندہ، شکستہ اور چاروں طرف سے مہیب و مہلک خطروں سے گھرے ہوئے حال کی تاریکیاں، روشنی کی کرنیں، عمل کی توانائیاں فکر و بصیرت اور تجزیوں کی تجلیاں حاصل کرتی تھیں۔

آج ملک وملت کے افق پر زبردست انتشار و افتراق اور سنگین ونازک صورت حالات کی ظلمتیں چھائی ہوئی ہیں، ایسے خوفناک وقت میں جبکہ طرح طرح کے طوفانوں، سیلابوں اور زلزلوں کی گڑگڑاہٹ چاروں طرف سنائی دے رہی ہے جمیل مہدی جیسے بے لاگ، بے خوف اور بے لوث اور اس قدر دیانت دار اور زندہ کردار ونیر کے حامل صحافی اور عقیدہ کے پختہ اور روشن فکر کے حامل انسان کی شدید ضرورت تھی۔ مگر ؎

ضرورت جتنی جتنی بڑھ رہی ہے صبح روشن کی
اندھیرا اور گہرا اور گہرا ہوتا جاتا ہے

جمیل مہدی نے انقلاب و حریت، علم وشریعت، دین وہدایت کے سرچشمۂ صافی۔ دیوبند کی تاریخی سرزمین پر جنم لیا، اس کی علم پرور فضاؤں میں عظیم و بے مثال علمائے کرام کی آغوشِ تربیت میں پرورش پائی اور یہیں قلم پکڑنا سیکھا، اپنی خداداد ذہانت، قدرت حافظہ، کثرتِ مطالعہ اور محنتِ شاقہ کے طفیل ابتدا ہی میں ادب و انشار کی دنیا میں اپنا مقام پیدا کرلیا، "نگار" جیسے شہرۂ آفاق ماہنامہ میں پہلی نگارش افسانہ کی شکل اور ان کے چھوٹے بھائی محزون نیازی کے نام سے شائع ہوئی، بمبئی کے ماہنامہ شاعر کے نائب مدیر اور روزنامہ جمہوریت کے مدیر کی حیثیت سے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا، یہیں سے بحر ادب و انشار کے اس شناور کا رخ سیاست کی راہوں کی طرف مڑ گیا، اُس وقت کی مشہور سیاسی شخصیتوں سے ربط وضبط پیدا ہوا، فلم اور ادب کی بڑی بڑی ہستیوں نے جمیل مہدی کی صلاحیتوں کا اعتراف کیا، شکیل بدایونی، علی سردار جعفری وغیرہ سے بے تکلف دوستانہ تعلقات قائم ہوئے،

اس کے بعد بہت عرصہ تک دیوبند میں اچھا قیام رہا، یہیں سے ایک سہ روزہ اخبار "مرکز" جاری کیا جس کے انقلاب انگیز اداریوں نے ایوان حکومت میں تہلکہ مچا دیا، ۱۹۶۲ء میں ہم لوگوں نے دیوبند میں مجلس مشاورت قائم کی اور ۱۴ اکتوبر ۱۹۶۶ء کو ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا جس میں مفکر ملت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ، مولانا منظور نعمانی، پنڈت سندر لال، مسٹر ایم این انور، جعفر امام، ڈاکٹر عبدالجلیل فریدی اور بہت سے اصحاب علم و فضل تشریف لائے، اس جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی اور تلاوت کلام پاک کے بعد بھائی جمیل مہدی نے ایک پر مغز طویل مقالہ پڑھنا شروع کیا۔ ابھی مقالہ شاید نصف ہی پڑھا گیا تھا کہ جمعیۃ علماء کے ایک مخصوص گروہ کی طرف سے تخریب کاری کے مقصد سے بھیجے گئے کچھ لوگوں نے جلسہ میں ہلڑ بازی شروع کی، اس پر قابو پا کر دوبارہ جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی تو پنڈت سندر لال نے ایسے پر اثر انداز میں تقریر فرمائی کہ مجمع تڑپ تڑپ اٹھا، لیکن اسی شرپسند گروپ کے کئی سو آدمی دارالعلوم دیوبند کے طلبار کے ساتھ دوبارہ بھیجے گئے اور لوٹ مار، پتھراؤ، آتش زنی کا وہ ننگا ناچ ناچا گیا کہ تہذیب و شرافت اور عدل و انصاف کے سارے تقاضے پامال ہو کے رہ گئے، حد یہ ہے کہ اکابر علمائے کرام مفکر ملت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی، ڈاکٹر عبدالجلیل فریدی وغیرہ پر قاتلانہ حملوں کی کوشش کی گئی خاص طور سے حضرت مفتی صاحب کو نشانہ بنایا گیا اور ان کے سر اور جسم پر چوٹیں آئیں، اس جلسہ پر حملہ بلاشک دیوبند کی تاریخ و تہذیب کے دامن پر بدنما داغ تھا مگر اس واقعہ نے جمیل مہدی کو پورے طور پر سرگرم ہو جانے پر مجبور کر دیا، کچھ عرصہ کے بعد ہی وہ لکھنؤ بلائے گئے اور روزنامہ "قائد" میں بحیثیت مدیر کام شروع کیا، کچھ عرصہ بعد قائد کی ادارت چھوڑ کر "ندائے ملت" سے وابستہ ہوئے اور پھر ۱۹۶۹ء میں خود اپنا ہفتہ وار اخبار "عزائم" جاری کیا جس کو دس سال کے بعد روزنامہ میں تبدیل کر دیا گیا۔ حقیقت یہ اخبار جمیل مہدی کے خونِ دل و جگر سے سینچا ہوا ایک ایسا پودا ہے جس کی حفاظت، بقا اور ترقی کی ساری ذمہ داریاں ان کی وفات کے بعد اب ان لوگوں کے کاندھوں پر آ گئی ہیں جن کو اردو صحافت کی صحت مند روایات، ایماندارانہ اظہار خیال، بے لاگ تبصرہ

اور ملک و ملت کے مسائل پر شعور و تجربہ کی پختگی کے ساتھ دیانت دارانہ اظہار خیال سے دلچسپی ہے اور جن کو جمیل مہدی سے تھوڑا بہت تعلق رہا ہے۔ یہ ہی ان کی روح کو بہترین نذرانہ عقیدت ہے۔ خدا کرے عزائم زندہ رہے، باقی رہے، ترقی کی منزلیں طے کرے اور ملک و ملت کی خدمت و رہنمائی کا فرض انجام دیتا رہے، رب کریم دکار ساز مسٹر حسام صدیقی، عزیز عدیل مہدی سلمہٗ اور دوسرے اراکین ادارہ عزائم کو حوصلہ، ہمت اور استقامت عطا فرمائے اور ان کو عزائم کی بقا کے لئے قدم قدم پر کامیابیوں اور اپنی نصرتوں سے نوازے۔ (آمین)

جمیل مہدی صرف ایک نثر نگار، صرف ایک صحافی اور صرف ادیب ہی نہ تھے بلکہ وہ خود ایک عہد، ایک تاریخ اور ہماری ان روایات اور قدروں کے ترجمان، نشان اور علامت تھے جو ہماری تاریخ ملی کی جان، آبرو اور وقار ہیں۔ وہ بہت لکھتے تھے، بے تحاشہ اور بے تکان لکھتے تھے مگر اس کے باوجود بہت خوب بلکہ خوب تر لکھتے تھے، ان کی تحریروں میں بلکہ ان کی رگ رگ میں ملت کا درد بے کراں، بے پایاں اور گہرا درد موجود تھا۔ سوز تڑپ کی ایک جانگداز کیفیت سے فکر و احساس اور شعور و جذبات معمور تھے۔ ان کے قلب و دماغ اور عزم و حوصلہ نے کسی بڑی سے بڑی شخصیت سے کسی طرح اور کسی قیمت پر مرعوب ہوجانا سیکھا ہی نہ تھا، اصولوں پر سمجھوتہ ان کی فطرت کے خلاف تھا۔ ان کی زندگی ریب و ریا سے کوسوں دور اور مصلحت اندیشی سے پاک تھی، ان کا قلب ایسا صاف و شفاف آئینہ تھا جس میں بھلے برے، کھرے کھوٹے، سچ اور جھوٹ کا عکس نمایاں طور سے دکھائی دیتا تھا۔

اکابر دیوبند، علمائے کرام مثلاً شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا عبیداللہ سندھی، علامہ شبیر احمد عثمانی، مفکر ملت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی، حکیم الاسلام

مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اور دوسرے بزرگوں سے ان کا تعلق ہمیشہ ادب و احترام کا رہا اور ان ہی بزرگوں کے سایہ میں ان کے فکر و شعور کی نشو و نما ہوئی۔ مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے سانحۂ ارتحال پر جو اداریہ انھوں نے بربان میں لکھا تھا وہ ان کے تعلق خاص کے ساتھ ساتھ حق پسندی، بے باکی، آزادیٔ فکر اور ان کے مخصوص اسلوب نگارش کا عظیم، خوبصورت، پُر اثر نمونہ تھا، حضرت مفکر ملت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی سے ان کے والد بزرگوار کا بھی تعلق رہا اور مرحوم بھائی جمیل مہدی بھی حضرت مفتی صاحب سے بہت قریب تھے، یہی قربت و عقیدت تھی کہ مولانا سعید احمد اکبر آبادی مرحوم کے انتقال کے بعد سے وہ برہان کی ادارت بڑے خلوص کے ساتھ کر رہے تھے، ان کی وفات راقم الحروف کا ذاتی صدمہ اور نقصان تو ہے ہی لیکن قبلہ مفتی صاحب کی علمی امانت (جس کی حفاظت دبقا ہم تمام خدام ہی کا فریضہ ہے) یعنی ماہنامہ برہان کو بھی اس سے زبردست دھکا لگا ہے، برادر عزیز عمید الرحمٰن سلمہٗ پر اس حادثہ کا قدرتی طور پر بہت اثر ہے، حق تعالیٰ شانہٗ ہم کو اس علمی یادگار 'برہان' کی خدمت و حفاظت کی توفیق بخشے اور ہماری مدد فرمائے۔ آمین۔

جیسا کہ قارئین کے علم میں آچکا ہوگا کہ دسمبر ۱۹۸۷ء میں دمہ کے شدید و پریشان کن اور پرانے عارضہ کے علاج کے لئے ان کو بلرام پور ہسپتال (لکھنؤ) میں داخل کرایا گیا لیکن جب دیکھا گیا کہ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی والا معاملہ ہے تو ڈاکٹروں کے مشورہ سے انھیں گھر لایا گیا، چند روز کے علاج کے بعد کچھ افاقہ بھی محسوس ہونے لگا تھا مگر ۱۲ ر فروری کو قلب کا دورہ پڑا تو ان کو رام منوہر لوہیا ہسپتال میں منتقل کیا گیا اور ۱۳ ر فروری کی صبح کو ساڑھے سات بجے اچانک وہ آواز بند ہوگئی جس کی گھن گرج سے بڑے بڑے

(باقی صفحہ ۱۲ پر)